مسائلِ قضائے عمری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی الزم قضاء الصلوٰۃ بالدلیل الذی الزم بہ ادائھا و جعلھا سببًا لفراغ ذمۃ المکلفین و منع قضاء الصلوٰۃ فی الوقت التی منع أدائھا فیہ و صیرھا خیر محض، الذی لا یمکن و لا یجوز لاحد المنع منھا غیر الشارع صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و ھو حینئذٍ اذا لم یتحملہ المقام أصلا و الصلوٰۃ و السلام علی خاتم الانبیاء و المرسلین و علی آلہ و اصحابہ الطیبین الطاھرین اجمعین۔ اما بعد!

میرے مسلمان موحدین بھائیوں سے یہ بات مخفی نہیں کہ زمانہ قدیم سے مختلف اسلامی ممالک میں جیسا کہ کتبِ دین سے واضح اور ثابت ہے ماہ رمضان المبارک کے آخری جمعہ شریف نماز جمعہ کے بعد وتر کے ساتھ پانچ فرض نمازوں کی قضاء بنیتِ کثرتِ ثواب ادا کی جاتی ہے۔ اس نماز کو قضاء عمری کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ مذکورہ نام کی وجہ سے بعض علماء نے یہ سمجھ کر کہ اس نماز سے غرض ساری عمر کی قضاء نمازیں (جتنی بھی ہوں) کے قائم مقام ہونا ہے تو انہوں نے اس کے رد میں فتوے دیئے کہ ایک نماز کئی نمازوں کی قائم مقام نہیں ہو سکتی اس لیے قضاء عمری اس معنی کی وجہ سے ناجائز ہے۔ اور بعض نے یہ سمجھا کہ اس نماز سے مقصد صرف کثرتِ ثواب ہے معادلۂ حقیقی نہیں اس کو جائز اور موجب اجرِ کثیر ثابت کیا اور دونوں اعتبار سے اس کے رد اور جواز پر رسالے شائع ہو چکے ہیں اور مذہب کی کتابوں میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ اب بھی ایک مفتیٔ محترم نے اہلیان فرنیٹئر کالونی کراچی کی طرف سے استفتاء کر کے پھر جواب لکھا۔ سوال سے صاف ظاہر ہے کہ سوال آپ نے خود ہی بنایا ہے یہ طریقۂ سوال عوام کا نہیں مگر مفتی محترم اس میں صادق اس لیے ہے کہ وہ بھی اسی کالونی

کے باشندے ہیں۔ اس کالونی میں کئی سالوں سے قضاء عمری ادا کی جاتی ہے۔ سوال میں موجودہ طریقہ قضاء عمری کو بیان کیا ہے اور ہر نماز کے لیے اذان و اقامت کا ذکر کیا ہے مگر یہاں اکثر معمول یہ ہے کہ صرف صبح کی نماز کیلئے اذان و اقامت دونوں کرتے ہیں اور باقی نمازیں صرف اقامت کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں۔ آگے لکھتا ہے!"پوچھنے پر مجوزین درج ذیل دلائل پیش کرتے ہیں۔

(۱) قال رسول اللہ ﷺ من قضٰی اخر الجمعۃ فی شہر رمضان خمس صلوات ویختم بالوتر کان کمن صلی صلوٰۃ سبعین سنۃ و من سراج المنیر من صلی قضاء خمس صلوٰۃ اخر شہر رمضان فی یوم الجمعۃ بعد الظہر ویؤذن لکل وقت یسقط عن رقبتہ مافات فی سنۃ۔

(نہایۃ علی الھدایۃ، فتاوٰی نور الھدٰی ص ۴۹)

(۲) اسناد این نماز از حضرت رسالت پناہ ﷺ منقول است ہر کہ را نمازہا قضاء شدہ باشد وندانند عدد او کہ چند است باید کہ روز جمعہ چہار رکعت نفل بیک سلام بگذارد وبخواند در ہر رکعتے بعد از فاتحہ آیۃ الکرسی ہفت بار۔۔۔الخ۔

(نور الھدی ۴۸)

الحاصل یہ کہ مجوزین قضاء عمری اپنے اس فعل پر احادیث مبارکہ سے استدلال کرتے ہیں کہ جس نے قضاء عمری کی نماز ادا کی تو گویا ستر سال کی نمازیں پڑھیں اور دوسری حدیث میں ہے کہ اس کے ذمہ جتنی نمازیں ہیں وہ اس سے ساقط ہو جائیں گی۔ تیسری حدیث سے ثابت ہوا کہ چار رکعت نماز نفل جمعہ کے دن بطریقِ مذکور پڑھنے سے سات سو سال کی قضاء شدہ نمازوں کا کفارہ ہو جائے گا۔الخ۔

سامعینِ کرام! مفتی صاحب کا بنیادی سوال تو یہ تھا کہ مجوزین قضاء عمری پانچ نمازیں بمعہ وتر اذان و اقامت کے ساتھ رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں پڑھتے ہیں اب مجوزین کی طرف سے دیئے گئے دلائل کو غور سے پڑھیں۔ مفتی صاحب خود نوشتہ لیکر ص اکو بار بار ملاحظہ کریں پہلے تو آپ

نے ایک اور دو نمبر دیگر احادیث کو بیان کیا اور حاصل میں اس سے تین بنایا پتہ نہیں کہ کیوں اور کس وجہ سے ایسے غُصّے میں فتویٰ لکھا اور اس طرح غصّہ میں فتوی لکھنا کہ عقل کام کرنا چھوڑ دے شرعًا صحیح نہیں اور نہ ہی مفتی صاحب کے شایانِ شان ہے۔ دوسری حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ دوسری حدیث میں ہے کہ اس کے ذمہ جتنی قضاء نمازیں ہیں وہ اس سے ساقط ہو جائیں گی حالانکہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں، "**یسقط عن رقبته ما فات فی سنة۔**" یعنی حدیث شریف میں صرف ایک سال کی نمازوں کے اسقاط کا بیان ہے اور وہ اپنے ظاہری معنی پر نہیں ہے مگر صرف مما ثلت فی الاجر ہے جسکی تصریح نور الھُدٰی میں موجود ہے۔ دیگر بات یہ ہے مثبتین تو پانچ نمازیں بمعہ وتر ادا کرتے ہیں تو اس کی دلیل یہ پیش کرنا کہ چار رکعت نفل بیک سلام بگزارد۔۔۔ الخ۔ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کیا مجوزینِ قضاء آپ کے ہاں مجنون ہیں کہ کرتے کیا ہیں اور دلیل کیا لاتے ہیں۔ آپ صاحب نے ص ۱ پر لکھا ہے (**نہایة علی الهدایة، فتاوٰی نور الھُدٰی ص ۴۹**)۔ عرض یہ ہے کہ نور الھُدٰی لیکر ص ۴۹ کا بار بار مطالعہ کریں وہاں **نہایة علی الهدایة** کا نام و نشان نہیں پائیں گے۔

بلکہ آپ صاحب ص ۷ پر لکھتے ہیں:

نھایۃ شرح ھدایۃ میں ہے:

من قضٰی صلوٰۃ من الفرائض فی آخر جمعة من شهر رمضان کان ذالک جابرا لکل صلوٰۃ فاتته فی عمره الی سبعین سنة۔ (نهایة)

اگرچہ نھایۃ مفتی صاحب نے آج تک نہیں دیکھی یہی وجہ ہے کہ جلد اور صفحہ نمبر دینے سے قاصر رہا پھر بھی آپ نے ص ۱ پر نھایۃ کی طرف جو حدیث منسوب کی ہے اس میں اور ص ۷ پر جو حدیث منسوب کی ہے دونوں میں واضح فرق آپ کو نظر آئے گا۔ مفتی صاحب دوسروں کے اختلاف وتضاد کو دیکھ کر خود اس جال میں پھنس گئے۔ آپ نے ص ۱ پر دوسری حدیث کا ترجمہ یوں کیا "کہ اس

کے ذمہ جتنی قضاء نمازیں ہیں وہ اس سے ساقط ہو جائیں گی" مگر مفتی اس حدیث کا ترجمہ ص ۷ پر یہ کرتے ہیں "اس شخص سے ایک سال کی فوت شدہ نمازیں ساقط ہو جائیں گی"۔ یہ ہے مُفتی صاحب کے متضاد بیان کا نمونہ۔ جس کا ارتکاب کرنا آپ دوسروں کے لیے عار سمجھتے ہیں اُسی چیز کا ارتکاب آپ نے خود کیا اگرچہ حقیقتاً دوسروں نے تضاد بیانی نہ کی ہو۔ اسی طرح آپ کی ص ۷ پر نھایۃ کی پیش کردہ حدیث سوال میں نہیں ہے اور یہ قاعدہ مسلمہ عند العلماء ہے کہ "جواب کی سوال سے مطابقت لازمی ہے"۔ اس سے پہلے کہ آپ کے سوال کے بقیہ حصے کا تجزیہ ھدیۂ ناظرین کریں میں یہ بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ مجوزین قضاء عمری بنیتِ کثرتِ ثواب پانچ نمازیں بمعہ وتر کی قضاء اس وقت میں کرتے ہیں جو قضاء نماز کا وقت ہے اور یہ بات فقہائِ کرام اور علمائِ اصولِ فقہ کے ہاں مسلم ہے کہ جس دلیل سے ادا ثابت ہوتی ہے اس سے قضاء بھی ثابت ہوتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے تقریباً تیس جگہ "اقیموا الصلوٰۃ" کا حکم دیا اور رسول اللہ ﷺ نے بے شمار احادیث مبارکہ میں حکم دیا وہ سب آیاتِ مبارکہ اور احادیثِ نبویہ مجوزینِ قضائِ عمری کیلئے دلائل ہیں۔ صرف یہ احادیث نہیں ہیں جنکو مفتی صاحب نے سوال وجواب میں پیش کیا ہے لہٰذا اگر یہ احادیث غیر صحیح بھی ہو جائیں تو بھی مثبتینِ قضائِ عمری کیلئے کوئی مضر نہیں جیسا کہ یہ بات کسی عاقل پر مخفی نہیں "نہ کہ از روئے قواعدِ شرعیہ کسی دلیل کی نفی سے اصل مدّعیٰ کی نفی لازم ہے"۔

مفتی صاحب ص ۲ پر استفتاء کرنے والوں کی طرف سے مذکورہ احادیث وغیرہ پر چار سوالات کرتے ہیں وہ یہ کہ۔

(۱) آیا مذکورہ احادیث واقعی صحیح اور قابلِ استدلال ہیں؟

(۲) کیا ایک نماز قضاء شدہ نمازوں بلکہ والدین اور اولاد کی قضاء نمازوں کیلئے کافی ہے؟

(۳) اگر یہ قضاء عمری فرض کی نیت سے ادا کی ہے تو امام اور مقتدیوں کی صحیح ہو نگی؟ جبکہ امام ومقتدی کی فرض کی تعیین کا علم نہیں اور کیا قضاء شدہ نمازوں کیلئے اذان واقامت صحیح ہے؟

(۴) اگر یہ نفل نمازہے تو کیا نفل کی جماعت جائز ہے؟ الخ۔

آگے جواب کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ پہلے (مفتی صاحب کا ذہن) جتنے مروجہ قضاء عمری میں فساد وکراہت کے احتمالات پائے جاتے ہیں ہم اس کی نشاندہی کر دیتے ہیں۔

میں راقم الحروف کہتا ہوں کہ مفتی صاحب کی شان کے مناسب یہ تھا کہ وہ یہ جواب دیتے کہ مجوزینِ قضائۓ عمری کے بارے میں آپ صاحبان کے شکوک وشبہات غلط ہیں نیک سیرت مسلمانوں پر یہ گمان غلط ہے کیونکہ مجوزین یہ نماز صرف اور صرف ثواب کیلئے کرتے ہیں اس لیے نہیں جو آپ بیان کرتے ہیں مگر مفتی صاحب آپے سے باہر ہو کر درج بالا چار احتمالات ص ۲ سے ص ۷ تک مفصل تحریر فرماتے ہیں۔

نمبر ۱: کا خلاصہ یہ ہے کہ علی الاعلان قضاء نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ اس مدّعیٰ کے اثبات کیلئے علامہ حصکفی کا حوالہ دیتے ہیں مگر یہ بیان نہیں کیا کہ یہ کس کتاب کی عبارت ہے اور حصکفی کون ہے۔ آپ کی یہ رائے کس کتاب میں مذکور ہے اور دوسری اپنے اس جوابِ فتویٰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ صاحبِ شمس المعارف نے صاحبِ نھایۃ علامہ سغناقی کو کئی بار اپنی کتاب میں مجتہد لکھا ہے مگر کوئی حوالہ نہیں دیا۔۔۔ الخ۔ (ص ۱۳ ملاحظہ ہو)۔ یہ ہے مفتی صاحب کا عدل وانصاف۔

نمبر ۲: صاحب فتاوی شامی کا حوالہ۔

نمبر ۳: بحر الرائق کا حوالہ۔

نمبر ۴: خلاصۃ الفتاوی کا حوالہ۔

نمبر ۵: الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام کا حوالہ۔

عرض یہ ہے کہ مفتی صاحب کا ص ۲ پر یہ تحریر کرنا کہ "مروجہ قضاء عمری اگر فی نفسہٖ جائز بھی ہو جائے"۔ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مفتی صاحب کے ہاں ماہِ رمضان میں جمعہ کے دن نمازِ جمعہ کے بعد نمازِ عصر سے پہلے قضاء نماز پڑھنا جائز نہیں حالانکہ بحر الرائق میں ہے کہ:

"علی المذهب الصحیح من ان القضاء یجب بما یجب به الاداء"۔ (ج ۲ ص ۷۹)

یعنی اداء اور قضاء دونوں مامور بہ کی اقسام ہیں اور مذہبِ صحیح یہ ہے کہ جس دلیل سے اداء واجب ہے اسی دلیل سے قضاء بھی واجب ہے۔

اسی طرح صاحبِ بحر تحریر فرماتے ہیں:

"ثمّ لیس للقضاء وقت معین بل جمیع أوقات العمر وقت له الا ثلاثة (أوقات) وقت طلوع الشمس ووقت الزوال ووقت المغرب أی (غروب الشمس) فانهٔ لایجوز الصلوٰة فی هٰذه الأوقات۔۔۔الخ"۔

(بحر الرائق ج ۱ ص ۸۰ وشامی ج ۱ ص ۵۳۷)

یعنی قضاء نماز کیلئے کوئی وقت معین و مقرر نہیں (کہ صرف اس وقت جائز ہو) بلکہ عمر کے سارے اوقات قضاء نماز کا وقت ہے تین اوقات کے علاوہ (۱) سورج نکلنے کا وقت۔ (۲) زوال کا وقت۔ (۳) سورج غروب ہونے کا وقت۔ کیونکہ ان اوقات میں نماز پڑھنا درست و جائز نہیں۔

اسی طرح شامی میں ہے:

"اعلم أنهم صرحوا بان الاداء والقضاء من اقسام المأمور به"۔

(ج ۱ ص ۵۵۴ مطبوعہ مصر)

یعنی علمائِ کرام نے تصریح کی ہے کہ اداء اور قضاء دونوں مأمور بہ کی اقسام میں سے ہیں۔

باقی رہی یہ بات کہ مفتی صاحب نے فقہائِ کرام کی کتابوں کے حوالے دیئے کہ لوگوں کے سامنے قضاء نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ آپ کے دیئے گئے حوالوں میں سے ایک شامی ہے تو آیئے علامہ شامی کی ہی تصریح سُنیئے اور وہ یہ ہے کہ۔

"ان المشرکین شغلوا رسول اللہ ﷺ عن اربع صلوات یوم الخندق حتی ذھب من اللیل ماشاءاللہ فأمر بلالًا فأذن ثم أقام فصلّی الظھر ثم أقام فصلی العصر ثم أقام فصلی المغرب ثم أقام فصلی العشاء"۔

(عن فتح القدیر شامی ج ۱ ص ۵۳۴ وبحر الرائق ج ۲ ص ۸۰ وفتح القدیر ج ۱ ص ۴۲۶)

اسی طرح بحر الرائق میں ہے:

"ألاتری ان رسول اللہ ﷺ اخر الصلاۃ یوم الخندق"۔

(ج ۲ ص ۷۹)

یعنی جنگِ خندق کے موقع پر مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو چار نمازوں سے مشغول رکھا یہاں تک کہ جتنا اللہ تعالیٰ کو منظور تھارات کا حصّہ گذر گیا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان دینے کا حکم دیا آپ نے اذان دی پھر اقامت کہہ کر نمازِ ظہر ادا کی پھر اقامت کہہ کر نمازِ عصر ادا کی پھر اقامت کہہ کر نمازِ مغرب ادا کی پھر اقامت کہی اور نمازِ عشاء ادا کی نیز بحر میں ہے کہ آپ نے یہ نہیں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگِ خندق کے دن نماز مؤخر کی اور بزار نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو روایت کی اس میں ہر نماز کیلئے اذان واقامت دونوں کا ذکر آیا ہے (ملاحظہ ہو فتح القدیر ج ۱ ص ۴۲۶)۔ مثبت کا قول نافی پر مقدم ہوتا ہے تفصیل آگے آئے گی اِن شاءاللہ تعالیٰ۔

اس طرح لیلۃ التعریس کا واقعہ بھی علماء پر مخفی نہیں کہ لیلۃ التعریس میں رسول اکرم ﷺ سے نمازِ فجر قضا ہوئی تو آپ ﷺ نے اور صحابہ کرام نے اس نماز کی قضاء اذان واقامت دونوں سے

کی۔ ملاحظہ ہو ھدایہ، فتح القدیر، عنایۃ، حاشیہ چلپی۔اھ۔ فتح القدیر ج ا ص ۳۱۹، امام بخاری نے صحیح البخاری ج ا ص ۴۶ اور امام مالک نے موٗطا امام مالک کے ص ۹ پر نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہؓ کرام کو ایک جگہ بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ آپ نمازِ عصر وہاں ادا کریں صحابہؓ کرام اس طرف چل دیئے جاتے جاتے جب نمازِ عصر کا وقت گذرنے لگا تو کچھ صحابہؓ کرام نے نماز ادا کرلی اور کہا کہ ہمیں جلد جانے کا حکم ملا تھا وہ ہم نے کیا مگر نماز قضاء کرنے کا حکم نہیں دیا تھا اور کچھ صحابہؓ کرام نے آپ ﷺ کے قول کے ظاہر پر عمل کیا اور کہا کہ ہمیں حکم ہے کہ وہاں نمازِ عصر کے وقت پہنچ جاوٗ لہٰذا جب وہاں پہنچیں گے تو نمازِ عصر ادا کریں گے چنانچہ وہ جب وہاں پہنچے تو نمازِ عصر قضاء ہو چکی تھی پھر انھوں نے وہاں نمازِ عصر کی قضاء کی اور جب رسول مقبول ﷺ کو اس فعل کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے دونوں فریقوں میں سے کسی پر بھی روک ٹوک نہ کی۔ مگر مندرجہ بالا واقعات کی وجہ سے ہمیں یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے نماز قضاء کی یہ گناہ اور علی الاعلان اذان واقامت سے ادا کی یہ دوسرا گناہ اور مکروہ تحریمی کام کیا اور نہ ہی ہم صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں فتوی لگا سکتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

لہٰذا عرض ہے کہ جو جواب مذکورہ بالا واقعات کے بارے میں مفتی صاحب کا ہے وہی ہمارا بھی جواب ہے۔ فقہائِ کرام کا مذکورہ مسئلہ نہ قضاء عمری کے رد میں ہے نہ مروجہ قضاء عمری کا رد کرنا مذکورہ مسئلہ سے فقہائِ کرام کی مُراد ہے۔

(۲) دوسرا اعتراض ص ۳ پر یہ کرتے ہیں کہ: مروجہ قضاء عمری میں باقاعدہ پانچ نمازوں کے لیے مسجد میں اذان دی جاتی ہے جو احناف کے نزدیک ممنوع ہے۔

اس کی دلیل میں بحر الرائق کی یہ عبارت پیش کرتے ہیں:

"فالاذان للفائتة فی المسجد اولٰی بالمنع"۔

(ج ۱ ص ۵۵۴)

میں اس کے جواب میں بحر الرائق وغیرہ کی منقول شدہ احادیث پیش کرتا ہوں ان احادیث سے مفتی صاحب جو جواب حقیقی پیش کریں وہی ہمارا بھی جواب ہے۔ مزید براں سارے فقہائے کرام رقمطراز ہیں۔

کنز میں ہے:

"ویؤذن للفائتة ویقم کذا الاولی الفوائت وخیر فیه للباقی"۔ (ص ۱۹)

مگر صاحبِ بحر نے اس کا رد نہیں فرمایا بلکہ اس کی توثیق کی ہے ملاحظہ ہو (بحر الرائق شرح کنز ج ۱ ص ۲۶۱، مستخلق الحقائق ج ۱ ص ۱۴۹، ۱۴۸) اور نہر الفائق شرح کنز ج ۱ میں اس کو اصل مذہب قرار دیا ہے فرمایا "الضابطه عندنا" یعنی ہمارے مذہبِ احناف کا یہ قاعدہ ہے۔ اسی طرح تبیین الحقائق شرح کنز ج ۱ ص ۳۴۶ و بحر ج ۱ ص ۲۶۲ وغیرہ میں ہے۔ مندرجہ بالا سے ثابت ہوا کہ اس بارے میں علامہ حلوانی کا قول اہلِ مذہب کا نہیں ہے وہ صرف ان کی ذاتی رائے ہے۔ شمس الائمة حلوانی کے بارے میں علامہ عبدالحیؒ لکھنوی نے تحریر فرمایا ہے "انہ یتساھل فی الروایة۔ فوائد البھیه ص ۹۶"۔ یعنی امام حلوانی روایات میں سُستی سے کام لیتے ہیں۔ اصل مذہب میں احناف کے ہاں مسجد میں قضاء اجماعی کے لیے اذان مکروہ و ممنوع نہیں ہے۔ (ومن دعا فعلیه البیان) مفتی صاحب)۔

(۳) تیسرا اعتراض یہ کرتے ہیں کہ مروجہ قضاء عمری میں امام اور مقتدیوں کی نیت میں تضاد ہوتا ہے۔ الٰی آخرہ۔ مفتی صاحب دامت برکاتہ کا یہ اعتراض اور فتویٰ درست نہیں ہے کیونکہ مروجہ

قضاء عمری میں اہلِ اسلام یوں نیت کرتے ہیں کہ جو نماز امام ادا کرتا ہے اسی نماز کو میں اس امام کے پیچھے اقتدیٰ کر کے ادا کرتا ہوں۔

علامہ شامی رقمطراز ہیں:

"قال فی البحر و الاتحاد ان یمکنه الدخول فی صلاته بنية صلاة الامام فتكون صلاة الامام متضمنة لصلاة المقتدی۔اھ"۔

(شامی ج ا ص ۴۰۷)

اسی طرح فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

"اذا اقتدی بالامام ینوی صلوٰۃ الامام و لایعلم ان الامام فی ایة صلوٰۃ فی الظهر او فی الجمعة اجزاہ ایتھما کانت لانه نوی الدخول فی صلوٰۃ الامام مقتدیا به فیصیر شارعًا فی صلاته۔۔۔الخ"۔

(ج ا ص ۳۹)

یعنی بحر الرائق اور علامہ شامی دونوں کا یہ فتوی ہے کہ اتحاد یہ ہے کہ مقتدی کو امام کی نماز میں دخول ممکن ہو امام کی نماز کی نیت کرنے سے اس لیے امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن ہے۔ صاحبِ قاضی خان تحریر فرماتے ہیں کہ جب مقتدی نے امام کی اقتداء کی امام کی نماز کی نیت کرتے ہوئے اور مقتدی کو معلوم نہ تھا کہ امام ظہر میں ہے یا جمعہ کی نماز میں یعنی (کون سی نماز پڑھتا ہے) تو مقتدی کی اقتداء جائز اور صحیح ہے۔ چاہے دونوں نمازوں میں سے کوئی بھی ہو اس لیے کہ مقتدی نے امام کی نماز میں داخل ہونے کی نیت اس حال میں کی کہ امام کے پیچھے اقتداء کرنے والا ہے تو امام کی نماز میں شروع کرنے والا ہو جاتا ہے۔

آگے لکھتے ہیں:

"والاحسن ان یقول نویت ان اصلی مع الامام مایصلی الامام"۔

یعنی بہتر یہ ہے کہ اس طرح کہے کہ میں نے نیت کی کہ میں امام کے ساتھ وہ نماز ادا کرتا ہوں جو نماز امام ادا کرتا ہے۔

مذکورہ بالا تحقیق سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ مفتی صاحب نے ص ۳ سے ص ۶ تک جتنے حوالے جمع کیے ہیں ان سے نہ ان کا مُدعا ثابت ہوتا ہے اور نہ موجودہ مروجہ قضاء عمری کے مجوزین پر رد اور حجت ہے خواہ وہ در مختار، بحر الرائق، ھدایہ، الجوھرۃ النیرہ، مراقی الفلاح، طحطاوی یا کنز الدقائق وغیرہ جتنے حوالے مفتی صاحب نے دیئے ہیں۔ صرف اس صورت میں ہے کہ امام اور مقتدی کی نمازوں میں اقتداء قوی نماز کا ضعیف نماز سے ہو۔ مگر قضاء عمری مروجہ میں ایسا نہیں ہے کیونکہ مقتدی نے امام کی نماز کی نیت کی ہے اور دونوں فرض کی نیت سے یہ نماز ادا کرتے ہیں اگر امام اور مقتدی کی نماز حقیقتًا ایک ہو یا بالفرض امام نے نیت فرض نماز کی کی ہے مگر حقیقتًا وہ نفل ہے تو مقتدی کی نماز بھی نفل ہوئی کیونکہ اس نے امام کی نماز کی نیت کی ہے یا امام کی نماز حقیقتًا نفل ہو اور مقتدی کی نماز فرض پھر بھی اقتداء صحیح ہے۔ ھدایہ و تبیین الحقائق ملاحظہ ہو۔ اور اگر حقیقتًا امام اور مقتدی دونوں کی نماز نفل ہو پھر بھی اقتداء صحیح اور نماز بغیر کسی کراہت کے ادا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا مفتی صاحب کا یہ قول (نمبر ۵ پر "یہ نماز صحیح نہ ہوگی جیسا کہ قضاء عمری میں ہے"۔ باطل محض ٹھہرا۔ اس فتوی میں مفتی صاحب کی تقلید واتباع شرعًا قطعًا جائز نہیں جیسا کہ عمدہ الرعایۃ ورسائل ابن عابدین میں مذکور ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

تفصیل مذکورہ سے مفتی صاحب کا اعتراض نمبر ۴ ص ۵ بھی ھباء منثورًا ہوا۔ فقہائے کرام نفل علی سبیل التداعی خارج از رمضان مکروہ بتاتے ہیں مگر رمضان شریف میں نفل باجماعت علی سبیل التداعی کو کسی نے بھی مکروہ نہیں لکھا جیسا کہ مفتی صاحب کے ص ۶ کی اس روایتِ منقولہ سے ثابت ہے:

"لایصلی الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان"۔

کہ رمضان شریف کے بغیر دوسرے مہینوں میں وتر اور نفل جماعت سے ادا نہ کریں۔

ص ۵ پر مفتی صاحب رقمطراز ہے:

مثبتین کی تقریر کچھ یوں ہوتی ہے کہ قضاء عمری مستحب، واجب ہے اور جو اس کو ادا نہ کرے نہ مانے گناہ گار ہے تو کیا وہ ابو جہل کے بچے (پیروکار) ہیں کیونکہ ابو جہل نے بھی نماز پڑھنے سے لوگوں کو منع کیا تھا اور مانعین قضاء عمری بھی لوگوں کو نماز پڑھنے سے منع کرتے ہیں اور دلیل میں آیت قرآنی سے استدلال کرتے ہیں۔

"أرایت الذی ینھٰی عبدًا اذا صلی"۔ (الآیة)

(العیاذ باللہ) آگے جاکر ص ۸ پر لکھتا ہے کہ۔

مثبتین کے اقوال کچھ یوں ہیں:

(ا) جو حضرات مروجہ قضاء عمری سے لوگوں کو منع کرتے ہیں تو وہ ابو جہل کے پیروکار ہیں اور اس آیت کی وعید میں داخل ہیں۔

"أرایت الذی ینھٰی عبدًا اذا صلی"۔ (الآیة)

ناظرین حضرات مفتی صاحب کی دونوں عبارتوں کو غور سے بار بار ملاحظہ کریں دونوں عبارتوں میں کتنا فرق ہے پہلے صفحے کی عبارت بہتان اور جھوٹ پر مبنی ہے اور دوسری عبارت کی زد میں یقینًا

مانعینِ قضاء عمری ہیں۔ کیا سورۃ العلق کی پہلی پانچ آیتوں کے علاوہ ساری سورت ابو جہل اور رسولِ مقبول ﷺ کے بارے میں نازل نہیں ہوئی؟ علمائِ دیوبند کے حکیم الامت اشرف علی تھانوی اور مفتی اعظم پاکستان کی تفسیر بیان القرآن اور معارف القرآن ملاحظہ ہو تو آپ کو پتہ چلے گا کہ نماز ادا کرنے والے رسولِ مقبول ﷺ تھے اور منع کرنے والا ابو جہل تھا تو جس نماز سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے منع نہیں فرمایا اور آپ منع کرتے ہیں تو یقیناً اس وعید میں داخل ہیں (أرایت الذی ینھی عبدًا اذا صلٰی) کیا ماہِ رمضان کے آخری جمعے میں نمازِ جمعہ کے بعد پڑھنے سے اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے اگر فرمایا ہو تو مفتی صاحب بتائیں ورنہ اس وعیدِ خداوندی کی زد میں ضرور بضرور آئیں گے۔ خلیفہ راشد حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔(علیکم بسنتی وسنۃ خلفاء الراشدین) وہ تو لوگوں کو نماز جو کہ عید کے دن عید گاہ میں نفل ہے منع نہیں فرماتے تاکہ وعید مذکورہ خداوندی کی زد میں نہ آجاؤں۔ ملاحظہ ہو بدائع والصنائع فی احکام الشرائع ج۱ ص۲۹۷ ومبسوط سرخسی ج۱ ص۱۵۹ وشامی ج۱ ص۲۱۴ وکشف الغمۃ عن جمیع الأمۃ لعبدالوہاب شعرانی ج۱ ص۱۹۱ وفیض الباری ج۲ ص۳۵۹،۳۷۳ وتفسیر روح المعانی ج۳۰ ص۲۱۵ وغیرہ۔

بلکہ اللہ تعالیٰ سورۃ العلق کی آخری آیت شریفہ میں فرماتا ہے:

"کلّا لاتطعہ واسجد واقترب"۔ (آیت ۱۹ پ ۳۰)

یعنی نماز سے منع کرنے والے کا حکم نہ مانو نماز پڑھو اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وذر الذین اتخذوا دینھم لعبًا ولھوًا۔۔۔الخ"۔ (انعام ع ۱۴ پ ۸)

رئیس المفسرین عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تفسیر ابن عباس میں اس آیت کی تفسیر کچھ یوں منقول ہے:

"وذر الذین اتخذوا دینھم یعنی الیھود والنصارٰی ومشرکی العرب اتخذوا دین آبائھم المؤمنین (لعبًا) ضحکۃ (ولھوًا) استھزاء"۔ (آیت نمبر ۷۰)

یعنی ان لوگوں کو چھوڑ دو جنہوں نے اپنے دین کو پکڑا یعنی یہود ونصاری اور مشرکینِ عرب کو چھوڑ دو انہوں نے اپنے آباء واجداد کے دین کے ساتھ ہنسی اور استہزاء کیا۔

محترم قارئین! یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ سلف صالحین جن میں مفتی صاحب کے اجداد بھی ہیں قضائِ عمری کرتے تھے اور اب مفتی صاحب ان کا مذاق اُڑاتے ہیں اس لیے بنصِ قرآن مفتی صاحب کی اتباع جائز اور روا نہیں کیونکہ مفتی صاحب یہود ونصاریٰ ومشرکینِ عرب کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ باقی تفصیل زیرِ غور رسالہ قضائِ عمری میں ان شاء اللہ قلمبند کی جائے گی۔ ص۷ تک جتنی کتب کے حوالے مفتی صاحب نے پیش کیے ہیں وہ سب کے سب مفتی صاحب اور مانعینِ قضائِ عمری کے رد میں ہیں نہ کہ مجوزین کے رد میں۔ مفتی صاحب ص۷ پر تحریر فرماتے ہیں۔

اب ہم اس حدیث کی طرف چلتے ہیں۔۔۔الخ۔

آگے جاکر لکھتے ہیں:

نھایۃ شرح ہدایہ میں ہے:

"من قضٰی صلوٰۃ من الفرائض فی آخر جمعۃ من شھر رمضان کان ذٰلک جابرا لکل صلوٰۃ فائتۃ فی عمرہ الی سبعین سنۃ"۔ (نھایۃ)

آج تک نھایۃ شرح ھدایۃ مفتی صاحب نے نہیں دیکھی لہٰذا اص اپر آپ نے جو حدیث صاحبِ نہایۃ کی طرف منسوب کی اور یہاں جس حدیث کو صاحبِ نہایۃ کے حوالے سے پیش کرتے ہیں

دونوں میں واضح تضاد وتناقض ہے اور یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ متناقض کا قول مردود ہوتا ہے۔ آپ نے اپنے تضادات کو فراموش کر کے مجوزین کے عدم تضادات کو تضادات کی ٹوکری میں ڈال دیا ہے۔ آپ نے نور الھدیٰ کے جتنے حوالے پیش کیے اور پھر ان کو تضادات کا مجموعہ بتلایاہے تو عرض یہ ہے کہ مفتی صاحب نے اسی کتاب کی ان عبارات کے آخر میں یہ کیوں نہیں دیکھا کہ۔

مُراد آن باشد کہ فرصت وفائی نکند کہ قضاتواند کرد وگرنہ در مذہب سنت جماعت مقرر است کہ نماز فائتہ تاقضانکند از ذمہ ساقط نہ نشود یامُراد ثواب آن قدر نماز باشد۔

آگے جا کر ص۸ پر آپ نے چار وجوہ تضادات روایات میں اور چار مرتبہ ثواب قضائِ عمری بیان کی ہیں اگر مفتی صاحب کے تضاد کو واقعی تضاد تسلیم کیا جائے اور اس سے یہ روایات نا قابلِ قبول ہو جائیں تو احادیث کی دوسری کتابوں کے علاوہ صحاح ستہ کو تضادات کا مجموعہ مان کر مسترد کر دیا جائے گا۔ ملاحظہ ہوں احادیث واردہ دربارۂ اشارہ واحادیث واردہ دربارۂ وتر وغیرہ وغیرہ۔ آگے لکھتے ہیں کہ یہ ہیں وہ احتمالات جن کو دیکھتے ہوئے قضائِ عمری کی مروجہ نماز کو فقہائِ کرام نے مکروہ، بدعت اور ناجائز اور فاسد قرار دیاہے۔

محترم قارئینِ کرام! یہ مفتی صاحب کا فقہائِ کرام پر صریح بہتان کے مترادف ہے کسی بھی فقیہہ نے مروجہ قضائِ عمری جو کہ ثواب کی نیت سے کی جاتی ہے یہ الفاظ نہیں لکھے۔(ومن ادعی فعلیہ البیان)فقہائِ کرام صرف اُس قضائِ عمری کے خلاف ہیں جس میں ایک نماز کو کئی نمازوں کے ساتھ معادلۂ حقیقی کی نیت سے ادا کی اجائے کہ نماز تو صرف ایک پڑھیں اور عقیدہ یہ ہو کہ ہماری ساری عمر یاستر سال کی نمازیں اس سے اداہو جائیں گی۔ مگر مجوزینِ قضائِ عمری مروجہ اس عقیدہ کو کفریہ عقیدہ سمجھتے ہیں ہاں بہتان اور الزام لگانا کسی صحیح العقیدہ مسلمان پر، جو کہ آج کل نام نہاد اشاعت التوحید

وغیرہ کرتے ہیں، وہ الگ بات ہے۔ علمائِ کرام کے ہاں یہ ایک مسلمہ قاعدہ ہے کہ تصریح عدد اقل پر نفی عددِ کثرت نہیں کرتے اور نہ وہ متضاد گردانا جاتا ہے اس طرح کہ عددِ کثرت، کثیر میں قلیل ہوتے ہیں۔ مگر مفتی صاحب اتنے غصّے میں ہیں کہ انہیں کوئی حق نظر نہیں آتا کیونکہ غُصّہ عقل کو کھا جاتا ہے۔ اگر اس قسم کے اختلاف کو واقعی تضاد تسلیم کر کے اس کا چھوڑنا لازمی قرار دیا جائے یا اس پر عمل کرنا موجبِ ثواب نہ ہو تو پھر ساری کی ساری احادیث اس قسم کے تضاد کی وجہ سے متروک العمل ہو جائیں گی اور یہ مذہب پرویزی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مروجہ قضائِ عمری سے منع کرنے والے خوارج ہی ہیں جیسا کہ نور الھُدیٰ میں ہے:

"قال فی بعض الروایۃ ماقال الخوارج خذلھم اللّٰہ تعالی باداء الصلوٰۃ فی آخر الجمعۃ من رمضان یسمّی بقضاء عمری ثواب لا یحصی تقدیرھا اختراع علی النبی ﷺ واتفقوا علی ان الکذب علی النبی ﷺ من الکبائر فلایجوز ادائھا۔۔۔الخ"۔ (ص ۴۹)

یعنی بعض روایات میں وہ فرمایا ہے جو خوارج نے کہا (اللہ تعالیٰ ان کو رُسوا کرے) کہ رمضان المبارک کے آخری جمعے میں نماز ادا کرنا جس کو قضائِ عمری سے موسوم کیا جاتا ہے اتنا ثواب جس کا کوئی اندازہ نہیں یہ رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ ہے اور اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ آپ ﷺ کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنا گناہِ کبیرہ ہے۔ لہٰذا قضائِ عمری جائز نہیں۔

آگے جا کر ص۹ پر رقمطراز ہیں کہ:

مثبتین کے جتنے بھی دلائل ہیں ان سب میں جماعت کا کوئی ذکر نہیں۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ یہ قول بھی اغماز پر مبنی ہے کیونکہ علماء جانتے ہیں کہ شریعت کی نظر میں نماز وہ ہے جس کو باجماعت ادا کیا جائے بلکہ شرح بخاری میں ہے:

"کان رسول اللّٰہ ﷺ یفرح باجتماع المسلمین علی الطاعۃ"۔

لہٰذا مانعینِ قضائے عمری مروجہ جتنے بھی ناراض ہوں ان کی کچھ پرواہ نہیں۔

آگے مُلا علی قاری کے بارے میں لکھتے ہیں:

(۱) ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔ حدیث:

"من قضٰی صلوٰۃ من الفرائض فی آخر جمعة من شهر رمضان كان ذالک جابرًا لكل صلوٰۃ فاتته فی عمره الی سبعین سنة باطل قطعًا لانه مناقض للاجماع علی ان شيئا من العبادات لا يقوم مقام فائتة سنوات ثمّ لا عبرة بنقل النهاية و لا ببقية شراح الهداية فانهم ليسوا من المحدثين و لا اسندوا الحديث الی احد من المخرجين"۔ (موضوعات کبیر ج ۱ ص ۲۴۲)

ترجمہ: جس نے رمضان المبارک کے آخری جمعہ کے دن قضاء شدہ فرائض میں سے فرض نماز پڑھ لی تو یہ اس شخص کی ستر سال کی فوت شدہ نمازوں کیلئے جبیرہ (کفارہ) ہو جائے گا۔ قطعی باطل ہے کیونکہ یہ اس اجماع کے مخالف ہے کہ عبادات میں سے کوئی عبادت سالہا سال کی فوت شدہ عبادت کی قائم مقام نہیں ہو سکتی (مذکورہ حدیث کو اگر نھایۃ نے ذکر کیا ہے تو) نھایۃ کے نقل کرنے کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ ھدایۃ کے دیگر کسی شارحین کا کیونکہ شارحینِ ھدایۃ محدیثین نہیں ہیں اور نہ انہوں نے اس حدیث کو اصل کتبِ حدیث سے ثابت کیا ہے۔ پھر شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کی "عجالۃ النافعہ" کا قول نقل کرتے ہیں کہ یہ حدیث عقل و نقل کے تقاضہ کے خلاف ہے پھر علامہ عبد الحیٔ لکھنوی کے مجموعہ سبع رسائل (ص ۹۲)۔ الاثار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ۔ بحوالہ فریدیہ نقل کیا ہے کہ شوکانی نے فوائد المجموعہ میں اس کو موضوع ثابت کیا ہے۔

میں جوابًا بصدِ ادب عرض کرتا ہوں کہ ہم علمائے حق کی طرف سے کئی جوابات دیتے ہیں۔

(۱) اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حدیثِ منقولہ در نہایۃ وغیرہ یقینًا مناقضِ اجماع اور باطل محض ہے تو اس سے قضاء عمری جو کہ برائے کثرتِ ثواب ادا کی جاتی ہے، ناجائز ہونا ثابت نہیں

ہوتا جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ وہ ساری آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی ﷺ جن سے اداثابت ہوئی ہے انہی سے قضاء بھی ثابت ہے اور ایک نماز کا کئی نمازوں کا قائم مقام ہونا نہ مثبتین کی مُراد ہے اور نہ وہ اس کے مُثبت ہیں بلکہ یہ حضرات بھی اس کے خلاف ہیں۔ اور کسی دلیل کے انتفاء سے مدلول کا انتفاء لازم نہیں آتا۔

(ملاحظہ ہو مقدمہ فتوحاتِ مکیہ لابن عربی ج ۱ ص ۴۹، تنبیق النظام فی مسند امام ص ۱۵۹، منحۃ الخالق لعلامۃ شامی ص ۲۶۶)

بلکہ کسی فعل کے ممنوع ومکروہ ہونے کیلئے مستقل دلیل پیش کرنا ضروری ہے۔ (شامی ج ۱ ص ۹۱، ص ۶۱۴، ج ۵ ص ۲۶۳، ص ۳۲۶، ص ۳۲۹ و تعلیق المجد علی مؤطا امام محمد لمولانا عبدالحیٔ لکھنوی ص ۱۳۷) کبیری میں ہے کہ کوئی حکم بغیر دلیلِ شرعی کے ثابت نہیں ہوتا (ص ۱۸۳)۔ کراہیت کے لیے بھی شارع کی نہی ضروری ہے۔ (تعلیق المجد ص ۱۳۷) امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں مذہب اس لیے فاسد ہیں کہ کراہت صرف شارع کی نہی سے ثابت ہوتی ہے اور اس میں نہی ہے۔ (تعلیق المجد لعبدالحیٔ لکھنوی) نفی اور اثبات دونوں دلیل چاہتے ہیں۔ اھ (حاوی للفتاوٰی ج ۱ ص ۲۳۹۔ للسیوطی رحمۃ اللہ تعالی علیہ) یہی وجہ ہے کہ مولانا عبدالحیٔ لکھنوی صاحب مروجہ قضائِ عمری کے مُثبت ہیں نافی نہیں۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ کیا آپ نے دیکھا مولانا عبدالحیٔ صاحب، ملا علی قاری اور شوکانی کی اتباع کرتے ہوئے مذکورہ حدیث کو رد کرتے ہیں حالانکہ مولانا عبدالحیٔ ملا علی قاری کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

”لولا مافی بعضھا (ای من الکتب التی صنفھا) من رائحۃ التعصب المذھبی لکان اجودُ واجود۔اھ“۔

(تعلیق ممجد علی موٗطاامام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ص۲۷)اور رسالہ مستطرفہ میں ہے:

"تذکرۃ الموضوعات ومصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع کلاھما لابی الحسن علی بن محمد سلطان المصری، المعروف بالقاری الحنفی وعلیہ أیضًا فیھما مواخذات"۔ (ص۱۲۷)

امام شوکانی کے بارے میں رسالہ مستطرفہ میں ہے:

"کتاب الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ (لشوکانی) لکنہ ادرج فیہ کثیرًا من الاحادیث التی لم یبلغ درجۃ الوضع بل واحادیث صحاحًا وحسانًا تقلیدًا للمشددین المتساھلین فی الموضوعات نبہ علی ذالک"۔

(عبدالحیٔ الکنوی فی ظفر الامانی ص۱۲۵ رسالہ مذکورہ)

ترجمہ: اگر مُلا علی قاری کی بعض کتب میں مذھبی تعصب نہ ہوتا تو ضرور بہت اچھا ہوتا بہت اچھا ہوتا۔

تذکرۃ الموضوعات اور مصنوع دونوں ملا علی قاری کی تصنیفات ہیں ان دونوں کتابوں میں آپ پر گرفت کی گئی ہے (کہ آپ نے غیر موضوع کو موضوع اور غیر باطل کو باطل قرار دیا ہے) امام شوکانی نے اپنی میں بہت سی احادیثِ صحیحہ اور حسنہ کو مشددین اور متساھلین کی اتباع کرتے ہوئے موضوعات میں شمار کیا ہے۔ انور شاہ کشمیری صدر دیوبند اپنی شہرۂ آفاق کتاب فیض الباری میں تحریر کرتے ہیں کہ میں تجربہ کے بعد یہ کہتا ہوں کہ شوکانی کے ہاں مذہبِ حنفی صحیح وحق نہیں ہے اس لیے میں اس کو معتبر نہیں سمجھتا اور نہ اس پر اعتماد کرتا ہوں۔ (ج۱) امام شوکانی نے کہا کہ "یہ پیغمبر خُدا ﷺ کی لغزشاتِ زبان میں سے ہے"۔ (ج ص۱۸۳) العیاذ باللہ ثمّ العیاذ باللہ۔ امام شوکانی نو عورتوں تک نکاح کرنے کا قائل تھا۔ (فیض الباری ج۴ ص۱۷۳)۔ مندرجہ بالا تحقیق سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ قضاء عمری کی حدیث کے بارے میں مُلا علی قاری اور شوکانی کی اتباع درست نہیں ہے۔

(۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ: مولانا عبدالحیؒ لکھنوی خُود اقرار کرتے ہوئے لکھتے ہیں جس کا مطلب کچھ یوں ہے: کہ ہم صرف اس قضاء عمری کا رد کرتے ہیں کہ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ نماز گذری ہوئی ساری قضاء شدہ نمازوں کا کفارہ ہے۔ فرماتے ہیں۔

"اخرج العقیلی و ضعفہ و ابن خزیمہ فی صحیحہ و البیھقی و الخطیب و الاصبھانی فی الترغیب عن سلمان الفارسی"۔

یعنی عقیلی کے علاوہ باقی محدثین نے اس کو صحیح مانا ہے۔

"قال خطبنا رسول اللہ ﷺ فی آخر یوم من شعبان فقال یا ایھا الناس قد اظلکم شھر عظیم شھر مبارک شھر فیہ لیلۃ خیر من الف شھر جعل اللہ صیامہ فریضۃ و قیام لیلتہ تطوعًا من تقرب فیہ بخصلۃ من الخیر کان کمن ادی فریضۃ فیما سواہ و من ادی فریضۃ فیہ کان کمن ادی سبعین فریضۃ فیما سواہ۔ الحدیث ذکرہ بطولہ الحافظ السیوطی فی تفسیرہ الدر المنثور قلت ھٰذا امر آخر فانھم لاینکرون فضل صلوٰۃ رمضان و بلوغ فرضہ ثوابًا الی سبعین فریضۃ فی غیر رمضان بل عرضھم ابطال قول من یقول ان صلوٰۃ رمضان تعدل سبعین صلوٰۃ معادلۃ حقیقۃ و یقوم مقامھا و انھا مجزیۃ من سبعین صلوٰۃ و انما حکموا بکفر من اعتقد ھٰذا و ترک الصلوٰۃ متعمدًا علی ھٰذا لایکفر من اعتقد حصول زیادۃ ثواب فانہٗ فضل العزیز الوھاب و لھٰذا قال علی قاری فی المرقات شرح مشکوٰۃ عند البحث فی مضاعفۃ الثواب فی مسجد مکۃ و المدینۃ ثم المراد بالتضعیف السابق فی الاجر دون الاجزاء باتفاق العلماء۔ اھ۔ ردع الاخوان عن محدثات آخر جمعۃ رمضان"۔ (ص ۵)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے شعبان کے آخری دن وعظ فرمایا کہ اے لوگو! آپ پر ایک عظیم الشان مہینہ سایہ فگن ہوا یہ مبارک ماہ ہے۔ یہ ایسا ماہ ہے کہ اس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے (تیراسی سال چار ماہ۔ 83/4) اللہ تعالیٰ نے اس ماہ کے روزوں کو فرض قرار دیا ہے اور رات کی عبادت کو تطوع (نفل) فرمایا جس نے

اس مہینے میں ایک نفلی نیکی کا کام کیا تو یہ ایسا ہی ہے کہ گویا اس نے دوسرے مہینوں میں فرض ادا کیا اور جس نے اس مہینے میں ایک فرض ادا کیا تو گویا اس نے رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں ستر فرائض ادا کیے ہیں۔

(عبدالحیؒ لکھنوی) فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ یہ اور بات ہے کیونکہ یہ علماء (جن کے حوالے منور شاہ صاحب نے دیئے) وغیرہ رمضان کی نماز کی فضیلت کے (مفتی منور شاہ صاحب کی طرح) مُنکر نہیں اور نہ اس بات کے منکر ہیں کہ رمضان المبارک کا ایک فرض غیر رمضان کے ستر فرائض کے ثواب کے برابر ہے بلکہ ان مانعینِ قضائِ عمری کی غرض صرف اس شخص کے قول کا ابطال ہے (وہ مثبتینِ قضائِ عمری کا بھی ہے) جو کہتے ہیں کہ رمضان المبارک کی ایک نماز ستر نمازوں کے ساتھ حقیقی طور پر برابر، مساوی اور اس کے قائم مقام ہے اور ستر نمازوں کے لیے حقیقتًا کافی ہے تو انہوں نے صرف اس شخص پر کفر کا حکم دیا ہے جو یہ عقیدہ رکھے۔ (مجوزین بھی اس کے قائل ہیں) اور اس وجہ سے قصداً دیدہٗ ودانستہ نمازیں ترک کرتا ہے۔ اور اس شخص پر حکم کفر نہیں لگاتے جو زیادتِ ثواب کے حصول کا عقیدہ رکھے (کیونکہ یہ آیاتِ قرآنی اور احادیثِ صحیحہ کثیرہ سے ثابت ہے) یہ تو اللہ جلّ َجلالہ کا فضل ہے۔ اس لیے مُلا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں مسجدِ مکہ اور مدینہ میں ثواب کی زیادتی پر بحث کے دوران تصریح فرماتے ہیں کہ اس سے مُراد "تضعیف فی الاجر ہے کہ کہ اجزاء باتفاق العلماء"۔ مجوزینِ قضائِ عمری بھی حدیثِ منقولہ مُلا علی قاری دربارۂ قضائِ عمری کا یہی معنی کرتے ہیں کہ اس سے مُراد تضعیف فی الاجر ہے نہ کہ معادلہ فی الاجزاء اس لیے یہ باطل قطعًا اور ناقض للاجماع نہیں ہے۔ بحکم: **الاحادیث یفسر بعضھم بعضًا**۔ بلکہ صحیح المعنی معمول بہ ہے۔ مولانا عبدالحیؒ لکھنوی کی تحقیق بالا سے بخوبی واضح ہوا کہ مفتی منور شاہ صاحب نے جواب استفتاء میں جتنی

کتابوں اور علماء کے حوالے دیئے ہیں نہ وہ مجوزین کے خلاف اور نہ مفتی صاحب کے مدّعیٰ کیلئے مُثبت ہیں مگر افسوس صد افسوس کہ مفتی صاحب اپنے پیرو مرشد جن کا تقویٰ اظہر من الشمس ہے۔ جو دیندار اور پرہیز گار ہیں۔ دین و مذہب کی اشاعت میں غرقاب ہیں مذہبِ صحیح کی اشاعت کے لیے ان کی شب و روز محنت و مشقت کسی پر مخفی نہیں ہے، پر ایسے کفریہ عقیدہ رکھنے کا یقین کیوں رکھتا ہے کہ آپ قضاء عمری کو اس لیے ثابت کرتے ہیں کہ اس کو اپنی تمام عمر کی قضاء نمازوں کا قائم مقام ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ کیا ان کی زندگی آپ کے سامنے نہیں کہ وہ فرائض تو فرائض، نوافل ادا کرنے پر کتنی شدت اور دوام کے ساتھ عمل پیرا ہیں۔ قارئین عظام۔ اب ہم مشکوٰۃ شریف کی اس حدیث پر محققانہ نظر ڈالتے ہیں۔

”عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من صلی بعد المغرب ست رکعات لم یتکلم فیما بینھن بسوء عدلن بعبادۃ ثنتی عشرۃ سنۃ“۔

(رواہ الترمذی ثم مشکوٰۃ ص ۱۰۴)

یعنی جس نے نمازِ مغرب کے بعد چھ رکعتیں ادا کیں اور اس کے درمیان کوئی بُری بات نہیں کی تو اس کیلئے بارہ سال کی عبادت کے برابر ہوتی ہیں۔ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے ملا علی قاری تحریر فرماتے ہیں۔ طیبی نے کہا ہے کہ یہ حث، تحریص یعنی ترغیب کے باب میں سے ہے (ج۳ ص۱۱۴) اگرچہ اس حدیث شریف میں صراحت کے ساتھ **”عدلن بعبادۃ ثنتی عشرۃ سنۃ“** آیا ہے مگر ملا علی قاری وغیرہ اس پر یہ فتویٰ نہیں دیتے کہ **”باطل قطعًا لانہ مناقض للاجماع۔۔۔الخ“** اس طرح یہ حدیث بھی ہے۔

”عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ قال فرض رسول اللہ ﷺ زکوٰۃ الفطر ظھرۃ الصیام من اللغو والرفث۔۔۔الخ“۔

(رواہ ابو داؤد ثم مشکوٰۃ ص ۱۶۰)

یعنی فطرہ اس لیے واجب کیا ہے بسبب تقصیر و گناہ کے جو روزے میں خلل آ جائے اس سے وہ خلل جاتا رہے اور وہ لائقِ قبولیت ہو جائے اھ (مظاہر الحق ج ۲ ص ۱۸) اس حدیث پر بھی ملا علی قاری وغیرہ بطلان و موضوعیت کا فتویٰ نہیں لگاتے جو کہ ثابت کرتا ہے کہ فطرہ سارے ماہ کے روزوں کے خلل کیلئے جبیرۃ (کفارہ) ہوتا ہے تو اگر رمضان کے آخری جمعے کے دن قضائِ عمری کی نماز ستر سال کی نمازوں کے خلل کیلئے جبیرۃ ہو جائے تو یہ احادیث صحیحہ اور اجماع کے خلاف نہیں بلکہ اس کے عین مطابق ہے اس طرح ملا علی قاری اسی موضوعاتِ کبیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ **حدیث رد دانق علی اھلہ خیر من عبادۃ سبعین سنۃ فھو صحیح من جھۃ معناہ۔اھ (ص ۷۰) ایضًا: ذکر ابن جماعۃ فی الکبیر مانصہ عن النبی ﷺ انہ قال رد دانق من حرام یعدل عند اللہ سبعین حجۃ۔انتھٰی۔(موضوعات کبیر ص ۷۰)۔**

یعنی پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ حرام کا ایک دانق واپس کرنا، اللہ تعالیٰ کے ہاں ستر حجوں کے برابر ہے۔اس کو بھی ملا علی قاری صحیح المعنی قرار دیتے ہیں۔یہ ہمیں پتہ دیتا ہے کہ حدیث قضائِ عمری کے بارے میں جو لکھا ہے کہ "باطل قطعًا۔۔الخ" یہ آپ کی کتاب میں خوارج وغیرہ کا اندراج ہے یہ ملا علی قاری کا اپنا قول نہیں ورنہ اس جیسی دیگر احادیث پر بھی یہ حکم لگاتے۔

دوسرا یہ نکتہ بھی ہے:

"ثم لاعبرۃ بنقل النھایۃ ولابقیۃ شراح الھدایۃ فانھم لیسوا من المحدثین"۔

(موضوعات ص ۱۲۵، عمدۃ الرعایۃ لعبدالحیٔ صاحب ص ۱۳) بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ ملا علی قاری کا اپنا قول نہیں ہے بلکہ آپ کی کتاب میں کسی خارجی کا اندراج ہے۔

(۴) جواب نمبر 4 یہ ہے کہ حدیثِ قضائِ عمری ایک طرف تو امام سغناقی نے نہایۃ میں لائی ہے تو دوسری طرف فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے عیون میں۔**(البرھان النفس الامری ص ۵)**

اور یہ دونوں مرتبہ اجتہاد کو پہنچ چکے ہیں۔

محمد بن محمود بن احمد الحنفی (غفر اللہ لہ ولوالدیہ) فرماتے ہیں:

"انی اروی کتاب الهداية عن شيخی العلامة امام الهدی، معدن التقی، فريد عصره ووحيد دهره، قدوة العلماء، عمدة الفضلاء، قوام الحق والملة والدين الكاكی قدس الله روحه ونوّر ضريحه وهو يرويه عن شيخيه العلامين الامامين الهمامين المجتهدين مولانا علاء الدين عبدالعزيز صاحب الكشف ومولانا حسام الدين حسين السغناقی صاحب النهاية اه"۔ (عنايه بر فتح القدير ج ۱ ص ۲) وكان السغناقی من طبقة الثالثة من المجتهدين وهو طبقة المجتهدين فی المسائل كما فی كتب طبقات۔

سمرقندی کے بارے میں فتاوی برھنہ میں ہے:

"كان اماما جليلا ورعا وكان يحفظ مائة الف حديث"۔ (ج ۲ ص ۲۶۵)

حموی شرح اشباہ میں لکھتے ہیں:

"ومجتهد الفتوى هو الذی يقدر على استخراج احكام الحوادث التی لم ينص عليها الامام ولا اصحابه من قواعدهم واصولهم كنصر ابن يحيی والفقيه ابی الليث"۔

(ص ۱۳، شامی ص ۵۱۔۵۳)

یعنی صاحبِ نہایۃ وسمرقندی دونوں مجتہد ہیں۔

ملا علی قاری خود اسی موضوعات میں تحریر فرماتے ہیں:

"ان المجتهد اذا استدل بحديث علٰى حكم من الاحكام فلا يتصور ان لا يكون صحيحا او حسنا عنده ثم لا يضره دخول ضعف او وضع فی سنده"۔ (ص ۶۷)

مجتہد جب ایک حکم میں ایک حدیث سے استدلال کرے تو یہ متصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ حدیث ان کے ہاں صحیح یا حسن نہ ہو پھر اس کی سند میں ضعف یا وضع کا داخل ہونا اس کی صحت کو مُضر نہیں۔

اور مشکوٰۃ کی شرح مرقات میں کہتے ہیں:

"ان اخذ المجتہد بہ یدل علی قوتہ و لا یضر ضعف حدث بالحدیث بعدہٗ"۔

(ج۳ ص ۳۰۶)

مطلب یہ ہے کہ مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال کرنا اس حدیث کی قوت پر دلیل ہے اور استدلال کے بعد اس میں ضعف پیدا ہونا استدلال کو مُضر نہیں ہے۔ شامی میں ہے۔

"ان المجتہد اذا استدل بحدیث کان تصحیحًا لہ۔ کما فی التحریر۔اھ"۔

(شامی ج۴ ص ۴۱)

یہ ہوئے ملا علی قاری وغیرہ کے فتوے کہ نہایۃ کی حدیث صحیح ہے اور قابلِ عمل ہے۔

تفصیل ان شآء اللہ اپنے رسالہ میں پیش کروں گا۔

(۵) جواب یہ ہے کہ ملا علی قاری و مولانا عبد الحیؒ صاحب کا یہ کہنا کہ:

"ثم لا عبرۃ بنقل النہایۃ و لا ببقیۃ شراح الہدایۃ فانہم لیسوا من المحدثین۔۔۔الخ"۔

اس کا جواب (جواب نمبر۴) میں مذکور ہوا اور دوسرا جواب یہ ہے کہ صاحبِ نہایۃ اور دوسرے کئی شراح ہدایہ محدثین ہیں۔ مولانا عبد الحیؒ صاحب نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ اگر صاحبِ کتاب محدث ہو تو اس کی بیان کی ہوئی حدیث پر اعتماد ممکن ہے ہمیں چاہیئے کہ ہم مولانا عبد الحیؒ ہی کی کتب کی طرف رجوع کریں کیونکہ آپ ہی کی بات سے آپ پر حجت قائم کرنا زیادہ مؤثر ہو گا۔

آپ کی کتاب فوائد البھیہ فی تراجم الحنفیہ میں ہے:

"و اجتمع بقاضی القضاۃ ناصر الدین محمد بن عمر بن العدیم و اجاز لہ جمیع مرویاتہ و مسموعاتہ من تصانیفہ النہایۃ و ھو ابسط شروح الہدایۃ و اشملہا قد احتوی علی مسائل کثیرۃ و فروع لطیفۃ"۔ (ص ۶۲)

اس عبارت سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں ایک یہ کہ صاحبِ نہایۃ محدث تھے۔ دوسری یہ کہ نہایۃ کی توثیق میں شاندار الفاظ استعمال کیے ہیں۔ (اب مفتی صاحب خود سوچیں اور اٹکل فتووں سے اجتناب کریں)

"کان عالمًا فقیهًا نحویًا جدلیًا و هو اول من شرح الهدایة۔اھ۔: و السمع من اول مراتب التحدیث و ارفعها و اصرحها و الاجازة سادس طرق التحدیث"۔

(شرح نخبہ الفکر ص ۱۰۳، ۱۰۴ و مقدمہ الترمذی ص ۴)

اس سے ثابت ہوا کہ آپ کامل محدث تھے۔ مولانا عبدالحیؒ کے علاوہ مولانا ابو الفتح عزیزی نے بھی آپ کو محدثین میں شمار کیا ہے۔ ان کی تحریر ہے: امام ابو حفص کبیر اور امام ابو سلیمان جوزجانی چونکہ فقہ حنفی کے ارکانِ نقل ہیں اس لیے کتاب الآثار کے تمام نسخوں میں ان ہی حضرات کی روایت کو زیادہ فروغ حاصل ہوا۔ کاتب الحروف بھی امام کی کتاب الاثار کو امام ابو حفص کبیر ہی کے طریقہ سے روایت کرتا ہے جس کی سند درج ذیل ہے۔

"اجازنی الشیخ الفقیه العالم المحدث مولانا ابو الوفاء الافغانی الٰی ان قال الحافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی انابها ابو عبدالله الجریری محمد بن علی بن صلاح انا القوام امیر کاتب بن امیر عمر بن غازی الاتقانی انا البرهان احمد بن اسعد بن محمد البخاری و الحسام حسین بن علی السغناقی قالا۔۔۔الخ"۔

(مقدمہ کتاب الآثار مطبع محمد سعید کراچی ص ۲۶)

اسی طرح شاہ ولی اللہ محدثِ دہلوی شاگردِ مولانا شیخ الشیوخ غوث الزمان عبدالغفور صاحب مشہور بسید و بابا، اپنی کتاب الانتباہ فی سلاسل اولیاء میں رقمطراز ہیں:

"و اما الاحادیث و الآثار التی علیها بناء مذهب ابی حنیفة فقد رأیتهما مسلسلًا بالفقهاء الحنفیین فی ضمن کتاب الآثار للامام محمد بن الحسن الٰی ان قال اخبرنا القوام ابو حنیفة

امیر کاتب بن عمر الاتقانی قال اخبرنا الحسام حسین بن علی السغناقی وعن احمد بن سعد البخاری۔۔۔الخ"۔

(ص ۱۲۲، ۱۲۱)

اگر ہم تسلیم کر لیں کہ ملا علی قاری اور عبدالحیؒ صاحب نے یہ گواہی دی ہے کہ صاحبِ نہایۃ وغیرہ محدثین نہیں ہیں اور مولانا ابوالفتح وشاہ ولی اللہ نے گواہی دی ہے کہ آپ محدث ہیں تو شرعًا عمل کس کی گواہی پر ہو گا۔

اس کا جواب امام بخاری سے ہی لیجئے آپ نے فرمایا:

"اذا شهد شاهد او شهود بشئ فقال أخرون ما علمنا ذالک یحکم بقول من شهد قال الحمیدی هٰذا کما اخبرنا بلال رضی الله تعالی عنه ان النبی ﷺ صلّی فی الکعبة وقال الفضل لم یصل فاخذ الناس بشهادة بلال کذالک ان شهد شاهدان ان لفلانٍ علی فلان الف درهم فشهد أخران بالف وخمس مائة یقضٰی بالزیادة لان سکوت الاخرٰی عن خمس مائة فی حکم نفیها (ج ا ص ۳٦۰) فاخذوا بقول بلال رضی الله تعالی عنه وترک قول الفضل (بخاری ج ص ۲۰۱) قوله فاخذ الناس بشهادة بلال رضی الله تعالی عنه فرجحوها علی روایة الفضل لان فیها زیادة (قس) ان المثبت مقدم علی النافی وهو وفاق من اهل العلم الا من شذ۔اھ۔(فتح الباری)"۔

یعنی جب ایک گواہ یا کئی گواہوں نے کسی چیز پر گواہی دی اور دیگر گواہوں نے کہا کہ ہمیں اس کا کوئی علم نہیں تو گواہی دینے والوں کے قول پر حکم کیا جائے گا۔حمیدی نے کہا ہے کہ یہ ایسا ہی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ کی خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے کی خبر دی اور فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے خانہ کعبہ میں نماز ادا نہیں کی تو لوگوں نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گواہی پر عمل کیا۔اس کی شرح قسطلانی وغیرہ نے یوں کی کہ لوگوں نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گواہی پر اس لیے عمل کیا اور اس کو ترجیح دی اور حضرت فضل

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گواہی قبول نہیں کی کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کے متعلق زیادہ علم تھااور اگر دو گواہوں نے یہ گواہی دی کہ فلاں شخص کا فلاں پر ہزار روپیہ ہے اور دیگر لوگوں نے گواہی دی کہ پندرہ سوروپیہ ہے تو فیصلہ پندرہ سوپر ہو گا کیونکہ دیگر گواہوں کا سکوت پانچ سے اس کی نفی کے حکم میں ہے۔ اس لیے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر عمل کیا گیا اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول چھوڑ دیا گیا۔ صاحبِ فتح الباری نے فرمایاہے کہ ثابت کرنے والا نفی کرنے والے پر مقدم ہے۔ عمل مُثبت کے قول پر ہو گا۔ اور اسی قاعدے کو علامہ عبدالحیُ قبول کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"ھٰذہ شھادۃ علی النفی لا تقبل اصلاً فان المثبت مقدم علی النفی و الشھادۃ للاثبات لا للنفی۔اھ"۔

(عمدۃالرعایۃ ج ۱ ص ۳٦۸)

مُلا علی قاری کا فرمان ہے:

"ان المثبت مقدم علی النافی"۔

(مرقات شرح مشکوۃ ج۳ ص ۱۵۱)

بلکہ موضوعات ہی میں لکھتے ہیں:

"ان الاثبات مقدم علی النفی۔اھ"۔ص ٦٦۔

علامہ بدر الدین عینی ج ۲ ص ۱۴٦، ج ۷ ص ۳۴، ج ۹ ص ۳۵۰، ج ۱۳ ص ۲۸۲، کبیری ص ۵۰۵ طبع لاہور عزیزی۔

امام نووی لکھتے ہیں:

"اجمع اھل الحدیث علی الاخذ بروایة بلال رضی اللہ تعالی عنہ لانہ مثبت ومعہٗ زیادۃ علم فوجب ترجیحہٗ"۔

(حاشیہ بخاری بحوالہ عینی بخاری ج ۱ ص ۵۷، تنبیق النظام فی مسند الامام ص ۳۴، ص ۹۹، ۹۳، وفتح الباری ج ۲ ص ۵۵۵، ج ۵ ص ۲۵۰، وفیض الباری ج ۲ ص ۳۱، والغابر علی الکوکب الدری لمحمد زکریا صاحب ج ۲ ص ۲۳۸، وروح المعانی ج ۸ ص ۱۴۵، ج ص ۱۵۹، وشامی ج ۱ ص ۴۸، وتحریر المختار ج ۱ ص ۱۲۵، تفسیر بیان القرآن لاشرف علی تھانوی ص ۱۰۲ وغیرہ)

مذکورہ بالا دلائل سے ثابت ہوا کہ عمل مولانا ابوالفتح وشاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے قول پر ہے کہ صاحبِ نہایۃ (من شراح الھدایۃ) محدثین میں سے ہیں۔ اسی طرح مولانا عبدالحیؒ کی گواہی اور فتویٰ دیگر کئی شراح الھدایۃ کے بارے میں اپنے خلاف اور ملا علی قاری صاحب کے خلاف بھی ملاحظہ ہوں:

(۱) احمد بن سلطان الرومی۔ من (تصانیفہ) شرح الھدایة ھو ان کان مساویًا للسیوطی فی سعة الاطلاع فی الادب والاصول لٰکن لایساویہ فی فنون الحدیث اھ (فوائد البھیة ص ۲۲)۔

اس سے ثابت ہوا کہ شارحِ ھدایہ احمد بن سلیمان محدث تھے اگرچہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ سے کم درجہ۔

(۲) امیر کاتب بن امیر غازی۔ شراح الھدایة شرحًا حافلًا وحدث بالمؤطا ۔۔۔الخ جوائد البھیة ص ۲۔

(۳) عبدالقادر بن محمود سمع وحدث وافتی ودرس وصنف العنایة فی تحریر اھادیث الھدایة وشرح معانی الآثار للطحاوی۔۔۔الخ (ص ۹۹)۔

(۴) علی بن محمد بن علی کان امامًا کبیرًا فقیھًا اُصولیًا محدثًا مفسرًا آگے جا کر لکھتے ہیں:

لہٗ تصانیف کثیرۃ منھا حاشیہ الھدایة۔۔۔الخ (ص ۱۲۵)۔

(۵) محمد بن عبدالواحد ابن الهمام کان اماما نظارا فارسا فی البحث فروعیا اصولیا محدثا مفسرا الی ان قال: لهٗ تصانیف معتبرة منها شرح الهدایه۔۔الخ (فوائد البهیة ص ۱۸۰)۔

(۶) محمد بن محمد البابرتی۔ کان بارعا فی الحدیث وعلومه الی ان قال له تصانیف منها شرح الهدایة المسمٰی بالعنایة (فوائد البهیة ص ۱۹۵)۔

(۷) یوسف بن عبداللہ۔ کان من اعلام العلماء برع فی الفقه و الحدیث (فوائد البهیة ص ۲۲۸) وتخرجه شاهد علی تحبره فی فن الحدیث (ص ۲۲۸)۔

(۸) جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی الکرمانی۔ لما حملت الیه کتاب الذی وضعته علی احادیث الهدیة۔۔اھ (فوائد البهیة)۔

(۹) علامہ بدرالدین عینی محدث (فوائد البہیۃ ص ۸۶۔ نسخۂ قدیم)۔

یہ تو ہوا علامہ عبدالحیؒ صاحب کا اپنے ہی خلاف اقرار، گواہی اور فتویٰ کہ صاحبِ نہایۃ اور کئی دوسرے شراح ھدایہ محدثین ہیں اور یہ بھی آپ کا اور ملا علی قاری کا ہے کہ مؤلفِ کتاب جب محدث ہو تو اس کی منقولہ حدیث پر اعتماد کرنا ممکن ہے۔ صاحبِ نہایۃ کی حدیثِ منقولہ کی تفسیر کیلئے کئی احادیث پہلے پیش کی گئی تھیں اس کے علاوہ تذکرۃ الواعظین، شامل وغیرہ کا حوالہ بھی پیشِ خدمت ہے۔

"عن رسول اللہ ﷺ من قضٰی اٰخر الجمعة شهر رمضان خمس صلوات ویختم بالوتر کان کمن صلٰی صلٰوۃ سبعین سنة۔اھ"۔ (نور الهدٰی ص ۴۹)

مولانا سید احمد شاہ صاحب اخوند کلے سوات تحریر فرماتے ہیں:

اگر کسی سے نماز قضاء ہو جائے تو اس کا کفارہ صرف ایک نماز ہے اور فوائتِ کثیرہ (بہت سی قضاء نمازیں) اس سے ساقط نہیں ہوتیں۔

فکانما صلی سبعین سنۃ میں کاف تشبیہی ہے اور مماثلتِ حقیقی مُراد نہیں ہے جیسا کہ بعض نے گمان کیاہے بلکہ مراد زیادتِ ثواب میں مبالغہ ہے عملِ قلیل کے سبب سے۔

ملاحظہ ہو (تنویر الایمان ص ۳۸۲، واعلام المؤمنین علی الحق المبین ص ۹۳) یہ دونوں کتابیں سید احمد شاہ کی ہیں۔

اسی طرح مفتیٔ سرحد مولانا شائستہ گل صاحب کی کتاب البرھان النفس الامری فی اثبات قضاء عمری ص ۵ وغیرہ اور اسی طرح سید احمد شاہ صاحب کا وہ رسالہ جس کو آپ نے مفتی فرید کے فتوی مجازفہ کے رد میں تحریر کیاہے، یہ سب اس بات کے گواہ ہیں کہ مروجہ طریقۂ قضاء کا مقصد صرف اور صرف حصولِ ثوابِ کثیرہ ہے۔

شمس المعارف میں صاحبِ نہایۃ کی مجتہدیت کا حوالہ بھی موجود ہے اور یہ بھی کہ معادلۂ حقیقی کا کوئی بھی قائل نہیں، یہ مجوزین پر افتراء ہے) مگر پھر اس شمس المعارف میں یہ تصریح ہے کہ اس سے مراد مماثلت فی الاجر ہے نہ کہ معادلۂ حقیقی مگر اس عبارت کو نقل کرنا مفتی صاحب کو مُضر ہونے کیوجہ آپ نے نقل نہیں کی جیسا کہ نورالھدی کا یہ قول آپ نے نقل نہیں کیا تھا۔ باقی آپ نے جتنی کتابوں کا حوالہ دیکر یہ ثابت کرناچاہاہے کہ نفل علی سبیل التداعی مکروہ ہے۔ وہ نہ مجوزین کے خلاف ہے اور نہ ہی مفتیٔ فتویٰ کیلئے مفید و حجت کیونکہ مجوزین نہ یہ نماز خارج از رمضان کرتے ہیں اور نہ نفلِ محض بالجماعۃ مگر مفتی صاحب نے آپے سے باہر ہو کر بغیر سوچ سمجھے اپنے آپ کو یہ تکلیف دی کیونکہ یہ عبارات اس فتوے میں جمع کرنا عبثِ محض ہے۔

مفتی صاحب آگے چل کر ص ۱۱ پر شمس المعارف سے سات وجوہات نقل کر کے لکھتے ہیں:

محترم ناظرین یہ ہے وہ حاسدانہ اختلاف کہ اس طرح اختلاف کسی اہلِ علم کے درمیان کسی نے نہیں دیکھا ہو گا کہ ادب واحترام اور علم و عمل کے تمام اصول کو بالائے طاق رکھ کر ایک مختلف فیہ مسئلہ میں صاحب شمس المعارف (محترم میاں صاحب) نے پتہ نہیں لاکھوں بلکہ کوڑوں مسلمانوں کی عزت وو قار پر حملہ کیا (العیاذ باللہ) محترم سامعین وناظرین: محترم مفتی صاحب ص ۲۰،۹۱ پر تحریر کرتے ہیں: آخر میں بندہ ناچیز محققین علماء جو اس رسالے کو مطالعہ سے شرف بخشیں گے، کی خدمت میں عرض گزار ہے کہ اگر میری یہ کوشش قابلِ قبول نہ ہو اور حقیقت و نفس الامر کے موافق نہ ہو تو بندۂ ناچیز کو امر فرما کر حق کی طرف راغب فرما دیجئے۔ رجوع الی الحق میرے لیے باعث شرم وعار نہیں بلکہ باعثِ صد افتخار ہو گا اور رجوع میں کوئی مانع نہ ہو گا۔۔۔ الخ مفتی صاحب کی اس وصیت نے ہمیں اس جوابِ فتویٰ لکھنے پر مجبور کر دیا تاکہ ہمارے لیے، مفتی صاحب کیلئے اور تمام مسلمانوں کیلئے مشعلِ راہ ہو جائے۔ آمدم بر سرِ مقصد: مفتی صاحب کی مندرجہ بالا تنقید "از قبیلۂ ازماست کہ برماست ہے"۔ ہمیں چاہیے کہ مفتی کا رسالہ اور خصوصًا مندرجہ بالا تنقیدی پیراگراف کو بار بار غور سے پڑھیں تو یہ ثابت ہو جائے گا کہ۔

(۱) مفتی صاحب علمِ اسمائے رجال سے ناواقف ہیں ورنہ آپ میاں صاحب پر اتنی رقیق اور سخت ترین تنقید ہر گز ہر گز نہ کرتے۔

(۲) آپ کی مندرجہ بالا ص ۱۱ پر تحریر کو اگر ہم غور سے پڑھیں تو اس میں ہمیں یہ نظر آئے گا: یہ ہے وہ حاسدانہ اختلاف۔۔۔ الخ۔

عرض ہے کہ امام رازی نے تفسیر کبیر میں یہ بیان کیا ہے کہ حاسد، فرعون و شیطان سے بد تر ہے۔ میاں صاحب مرحوم کی زندگی سے جو لوگ واقف ہیں وہ ضرور یہ تسلیم کریں گے کہ میاں صاحب ایک دیندار، پرہیز گار، متقی اور حق شناس اور مولانا غور غشتوی کے شاگردِ خاص اور ظالم اور مطلق العنان بادشاہ کے سامنے حق کہنے والے انسان تھے۔ بچپن سے لیکر وفات تک تمام کی تمام عمر صرف اور صرف علم و دین کی خدمت میں گذار دی نہ اس میں لالچ جاہ تھی اور نہ ہی لالچِ مال تھا۔ کوئی ماں کا بیٹا یہ ثابت نہیں کر سکے گا کہ اُس نے اپنے پیچھے علمی ورثہ کے علاوہ کوئی ادنیٰ سے ادنی چیز بھی چھوڑی ہو۔ اس قسم کا اختلاف ہم نے مفتی صاحب کے قول میں دیکھا یا کہ میاں صاحب کے باقی ماندہ ورثہ میں۔ کیا مفتی صاحب نے موجودہ رسالہ مرتب کر کے صدرِ اول سے لیکر آج تک اربوں بلکہ کھربوں مسلمانوں، اولیاء، مجتہدین، علماء عاملین کی عزت و وقار کو خاک میں نہیں ملا دیا۔ اور تو اور کیا اپنے پیر و مرشد کی عزت و وقار کے ساتھ سخت ترین تصادم اختیار نہیں کیا۔ آگے ص ۱۱، ۱۲ پر تحریر کیا ہے کہ بغیر بیانِ موضوعیت، موضوع حدیث کا بیان کرنا جائز نہیں۔ اس میں کسی کو اختلاف کی گنجائش نہیں اور نہ یہ رمضان المبارک میں قضاء نماز پڑھنے والوں کے لیے کوئی مضر آگے ص ۱۴، ۱۳ پر جن علماء کے اقوال کو بیان کیا ہے وہ بھی مجوزین سے متصادم نہیں بلکہ وہ (مجوزین) بھی (سابقہ تحقیق سے معلوم ہوا) اس قسم کی قضائِ عمری کے سخت مخالف ہیں۔ ص ۱۳ پر آپ صحیح مسلم کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ مجتہد کوئی معصوم نہیں ہوتے بلکہ کبھی مجتہد سے غلطی بھی واقع ہو سکتی ہے اگر مجتہد حق تک پہنچے تو دو ثوابوں کا ورنہ ایک ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ اس کے اس قول کی بناء پر اگر یہ ثابت ہو جائے کہ موضوعاتِ کبیر میں جو ہے یقیناً ملا علی قاری کا ہے تو مجتہدین کے مقابلے میں اگر ملا

علی قاری صاحب کو ہم یہ کہیں کہ آپ سے فہمِ حدیث میں غلطی ہوئی تو اسہل ہے۔ کیونکہ میزان کبریٰ میں امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقمطراز ہیں۔

"ان کل من رد قول من اقوال علمائنا و اخرجه عنها فکانه ینادی علی نفسه بالجهل ویقول الا اشهدوا انی جاهل بدلیل هٰذا القول من السنة و القرآن۔اه"۔

آگے جاکر ص ۲ پر لکھتے ہیں:

"لاینبغی لاحد قط ان یخطئ مجتهدًا او یطعن فی کلامه لان الشرع الذی هو حکم اللّٰه تعالی قدر قرر حکم المجتهد فصار شرع الله تعالی بتقریر اللّٰه تعالی ایاه"۔

آگے جاکر لکھتے ہیں:

"فکل من خطاء مجتهدًا بعینه فکانه خطا الشارع فیما قرره حکما۔انتهی"۔

(میزان شعرانی ص ۲۶)

یعنی جس نے علماء (مجتہدین) کے اقوال میں سے کسی قول کو رد کیا اور اس کے علاوہ دوسرا قول کیا تو گویا یہ اپنی جہالت کا اعلان کرتا ہے اور کہتا کہ خبردار: گواہ رہو کہ میں سنت و قرآن کی اس دلیل کی بناء پر جاہل وبے علم ہوں۔ کسی شخص کیلئے یہ ہرگز مناسب نہیں کہ کسی مجتہد کو خطاء کی نسبت کرے یا اس کے کلام پر طعن کرے کیونکہ شریعت جو کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، مجتہد کے حکم کو ثابت کیا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کیلئے شریعت ہوا اللہ تعالیٰ ہی کے ثابت کرنے کی وجہ سے تو جس نے ایک خاص مجتہد کی طرف خطاء کی نسبت کی تو گویا اس نے اس شریعت کو جسے اللہ تعالی کے حکم نے مقرر کیا ہے، خطاء کی نسبت کی۔ آگے ص ۱۶ تک جتنی عبارات مفتی صاحب نے نقل کی ہیں ان کے یہ الفاظ عمر بھر کی ص ۱۴، ۱۳۔ کل ظہر کی ص ۱۴، عمر بھی کی تمام قضاؤں کے عوض ص ۱۴، عمر بھر کی نماز ص ۱۴، تکفر صلوٰۃ العام او العمر ص ۱۵، عمر بھر کی ص ۱۵، پوری عمر کی ص ۱۵، ساری عمر کی ص ۱۶، یہ نماز عمر بھر کی قضاء۔۔۔ الخ۔ یہ الفاظ قرینہ فتویٰ ہے ان صفحات پر جن علماء کے اقوال نقل کیے گئے ہیں وہ اس قضاء

کے رد میں ہیں جس کا رد مجوزین کے کلام میں ہے لہٰذا نہ مفتی صاحب کے لیے نافع اور نہ مجوزین کے لیے مضر ہے۔ اور دیگر مفتیانِ کرام کا قول اس لیے حجت نہیں ہے کہ یہ نہ سابقہ چھ طبقات کے علماء سے تعلق رکھتے ہیں اور نہ انہوں نے بطلان کیلئے کوئی شرعی دلیل اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ کی نہی پیش کی اور مدعی بلا دلیل مسلّم نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ سے ترغیباتِ قولیہ مذکور ہیں۔

اور اکوڑہ کے مفتیانِ کرام بھی اس قضاء کی نفی کرتے ہیں جن کی نفی اور باطل ہونا مجوزین نے بار بار کی کیونکہ ان فتاویٰ میں پوری عمر کی تمام نمازوں کو قضاء کے طور پر پڑھنے کی تصریح موجود ہے جیسا کہ آپ ہی کے رسالہ ص۱۷ پر ہے۔ باقی رہا کہ مفتی محمد یوسف لدھیانوی کا قول کہ شریعت میں قضاء عمری کی کوئی اصطلاح نہیں ہے۔۔۔ الخ (ص۱۷) اس کی تردید کیلئے آپ ہی کی وہ بات جو آپ نے اپنے رسالہ ص۵ پر تحریر کی ہے ملاحظہ ہو: مثبتین قضائے عمری جمعۃ الوداع جیسے عظیم دن کے موقع پر منبرِ رسول ﷺ پر ان کتابوں اور رسالوں کا ڈھیر لگا دیتے ہیں۔۔۔ الخ کافی ہے کیونکہ اتنی بے شمار کتابوں اور رسالوں میں موجود اصطلاح سے بے خبر مفتی کیونکر مفتی کہنے کا مستحق ہے۔ آپ کی مرتبہ کتاب "آپ کے مسائل اور ان کا حل" میں کئی غلطیاں موجود ہیں جو قابلِ اعتماد نہیں بلکہ مفتی صاحب کے مندرجہ بالا اقرار سے بخوبی ثابت ہوا کہ مجوزین کیلئے ایک دو کتابیں نہیں بلکہ بے شمار کتابیں اور رسالے موجود ہیں یہ ان کے رد کیلئے بھی کافی ہے۔

"قال فی الظهرية والخلاصة: رجل يقضی صلوات عمره مع انه لم يفته شئ منها احتياطًا قال بعضهم يكره وقال بعضهم لايكره لانه اخذ بالاحتياط لكنه لايقضی بعد صلوٰة الفجر ولابعد صلاة العصر ويقراء فی الركعات كلها الفاتحة مع السورة وقد قدمنا مال الفتاوی انه يصلی المغرب اربعًا بثلاث قعدات وكذا الوتر اه"۔

(بحر الرائق ج۲ ص۸۰ وعالمگیری ج۱ ص۱۱۵)

مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: عالمگیری ج ا ص ۱۲۱ و درِ مختار مع رد المحتار ج ا ص ۵۳۷، قاضی خان ج ا ص ۱۱۰، عالمگیری ج ا ص ۱۲۴ نقلاً عن العتابیہ والمضمرات وغیرہ۔

یعنی اگر کسی شخص سے کوئی نماز فوت نہ بھی ہوئی ہو مگر وہ احتیاطاً اپنی عمر کی نمازوں کی قضاء کرتا ہو بعض علماء نے اسے مکروہ کہا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مکروہ نہیں کیونکہ اس نے احتیاط پر عمل کیا مگر نمازِ فجر اور عصر کے بعد یہ قضاء نہ کریں اور ساری رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورۃ بھی پڑھیں نمازِ مغرب اور وتر کو تین قعدوں کے ساتھ چار چار رکعت پڑھیں۔

اور عالمگیری (طبع پشاور) میں ہے:

"وفی العتابیه عن ابی النصر رحمة اللّٰہ تعالی علیه فیمن یقضی صلوات عمرہ من غیر ان فاته شئ یر الاحتیاط فان کان لاجل النقصان والکراھة فحسن وان لم یکن لذالک لا یفعل والصحیح انه یجوز الا بعد صلوۃ الفجر والعصر وقد فعل ذٰلک کثیر من السلف لشبھة الفساد کذافی المضمرات"۔

(عالمگیری ج ا ص ۱۲۴)

یعنی بہتر اور مفتٰی بہ قول جواز کا ہے فساد کے شبہ کی وجہ سے بہت سے سلف نے یہ عمل کیا ہے۔ (طحطاوی ص ۳۶۳ شامی ج ص ۵۱۶ نقلاً از تاتارخانیہ) وفی الحدیث المتفق علیہ فمن اتقی الشبھات استبراء لدینہ۔۔۔الخ۔ (شامی ج ا ص ۵۹۶ مصری طبع وخلاصۃ الفتاوٰی ج ا ص ۱۹۲، وقاضی خان ج ا ص ۵۵ وغیرہ) مفتی محمد شفیع صاحب اپنی تفسیر معارف القرآن میں تحریر فرماتے ہیں: نماز وروزہ فوت ہوا ہے تو اس کو قضاء کرے۔ فوت شدہ نمازوں اور روزوں کی صحیح تعداد یاد نہ ہو، تو غور وفکر سے کام لیکر تخمینہ معین کرے پھر ان کی قضاء کرنے کا پورا اہتمام کرے، بیک وقت نہیں کر سکتا تو ہر نماز کے ساتھ ایک ایک نماز قضاء عمری کی پڑھ لیا کرے۔ اھ۔ یہ ہے قضاء عمری کا لفظ جس کو فقہاء ومفسرین

نے اپنی اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے مگر مفتی یوسف ان سب سے بے خبر ہے تو نقصان کس کا۔ مندرجہ بالا بیان سے ہمیں قضاء عمری کی وجہ تسمیہ بھی معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ اس کو قضاء عمری اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں تمام عمر میں قضاء شدہ نمازوں میں سے کوئی نماز قضاء کی جاتی ہے اس لیے اس کو قضاء عمری کہا جاتا ہے۔

راقم الحروف نے اس مسئلے کے بارے میں پیرِ طریقت، رہبر شریعت، حضرت علامہ مفتی پیر سید احمد علی شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے دو قلمی نسخے "قہرِ خُداوندی بَر مُنکرِ قضاء عمری" اور "احسان الباری علی فاعل قضاء عمری" دیکھے ہیں جو کہ مدلّل اور اپنے موضوع پر جامع ہیں۔ ان کا مطالعہ بھی مفید رہے گا۔

شیخ و پیر طریقت رہبر شریعت

الحاج مولوی محمد روشن کوکاری

سابق صدر گورنمٹ دارالعلوم اسلامیہ سیدو شریف

الجواب صحیح بلاارتیابٍ لا شک فیہ!

فقیر سید احمد علی شاہ الترمذی الحنفی السیفی

الجواب صحیح و المجیب نجیح!

کتبہ محمد فضل اللہ

خادم الحدیث جامعہ محمدیہ سنیہ، لنڈے شاہ، کاٹلنگ، ضلع مردان

الجواب حقٌ فماذا بعد الحق الا الضلال!

حررہ: فقیر سید عبد الحق شاہ الحنفی السیفی

ويقرأفي الركعات كلها الفاتحة مع السورة كذا في الظهيرية وفي الفتاوى رجل يقضي الفوائت فإنه يقضي الوتر وإن لم يستيقن أنه هل بقي عليه وتر أو لم يبق فإنه يصلي ثلاث ركعات ويقنت ثم يقعد قدر التشهد ثم يصلي ركعة أخرى فإن كان وترا فقد أداه وإن لم يكن فقد صلى التطوع أربعا ولا يضره القنوت في التطوع۔

(الفتاوى الهندية في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان، ج ا ،ص ١٠٠)

حررہ:

فقیر سید احمد علی شاہ السیفی